© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

قسط ۲

دورِ حاضر کا ایک عظیم بُت

مغربی جمہوریت

انتخابات کا ملکی معیشت پر اثر

۱۔ الیکشن کے اخراجات کا بار قومی خزانہ پر

انتخابات منعقد کرانے کے لیے حکومت کو الیکشن کمیشن مقرر کرنا پڑتا ہے۔ پھر حلقہ بندی، بعد ازاں فہرستوں کی تیاری اور طباعت اور اس کے بعد الیکشن کے دن کے انتظامی امور پر حکومت کو بہت سی رقم صرف کرنا پڑتی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں حکمران پارٹی کی دھاندلیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں نیز ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر غلط اعداد و شمار کے ذریعہ اس نے اپنے آپ کو کامیاب قرار دیا۔ توان مظالم کے خلاف حزب مخالف یا قومی اتحاد کی طرف سے ہمہ گیر تحریک چلائی گئی۔ جس میں نام نہاد حکمران پارٹی کے وزیر اعظم بھٹو سے دوبارہ الیکشن کرانے کا مطالبہ کیا گیا۔ جس کے جواب میں بھٹو صاحب نے یہ کہا تھا۔ کہ پاکستان جیسا غریب ملک دوبارہ الیکشن کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ سعودی عرب جو فریقین میں مفاہمت کے لیے بھرپور کوشش کر رہا تھا اس نے یہ پیش کش کی کہ اگر دوبارہ انتخابات کرانے سے معاملہ سلجھ سکتا ہے۔ تو دوبارہ الیکشن کے علاوہ پہلے الیکشن کے اخراجات بھی سعودی عرب کی حکومت برداشت کرنے کو تیار ہے۔ اس وقت ان اخراجات کا اندازہ ۴ کروڑ روپے لگایا گیا تھا۔ گویا ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں قومی خزانہ سے ۷ کروڑ روپے کی رقم اس انتخاب پر خرچ ہوئی تھی۔

۲۔ نمائندوں کے اخراجات

الیکشن کے انعقاد کے اعلان سے لے کر معینہ تاریخ تک عموماً دو ماہ کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس دوران سیاسی سرگرمیاں جوبن پر ہوتی ہیں۔ بینر، جھنڈے۔ اشتہارات، جلسے، جلوس، کنویسنگ اور مہمانداری پر نمائندوں کے اخراجات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ایک پارٹی نے کسی مخصوص حلقہ سے قومی اسمبلی کے چناؤ کے لیے جس معزز آدمی کے نام قرعہ ڈالا۔ اس شخص نے معذوری ظاہر کی کہ اس کے پاس اخراجات کے لیے رقم نہیں ہے، تو اسے الیکشن لڑنے کے لیے ۴ لاکھ روپیہ کی پیش کش کی گئی تھی۔ یہ واقعہ ہماری معلومات کی حد تک بالکل صحیح ہے۔ از راہ احتیاط ہم یہ رقم ۳ لاکھ فی نمائندہ فرض کر لیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ قومی اسمبلی کے ممبران کی تعداد 200 ہے، صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کی 460 اور سینیٹ کے ممبران کی تعداد 53 ہے کل تعداد 713 ہوئی۔ بلدیاتی اداروں کے انتخابات بھی سردست از راہ احتیاط نظر انداز کرتے ہیں۔ بعض نشستوں پر الیکشن لڑنے والوں کی تعداد آٹھ دس تک پہنچ جاتی ہے جبکہ چند نشستیں ایسی بھی ہوتی ہیں جہاں بلامقابلہ انتخاب عمل میں آجاتا ہے۔ احتیاطاً ہم ہر نشست پر 3 نمائندے فرض کرلیں تو اس طرح اخراجات کا اندازہ 713×3 = 2139 نمائندوں کا مجموعی خرچ 2139×3 لاکھ = 64,17,00,000 یعنی 64 کروڑ 17 لاکھ روپے بنتا ہے۔

3۔ حریف کو مالی نقصان پہنچانا۔

الیکشن کے دوران سیاسی پارٹیاں منافقت کی روش اختیار کرکے حریف سے انتقام لیتی ہیں۔ گاؤں میں خاندانی تنازعوں کی وبا عام ہوتی ہے۔ وہاں بھی یہ طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ جب اپنے حریف کو مالی طور پر تباہ کرنا مقصود ہو تو حریف پارٹی کے ارکان اس کی خوشامد کرتے، اس کو درخواست دینے پر اکساتے اور اپنی حمایت کا بھرپور اعلان کرتے ہیں اس دوران منافقین کا یہ ٹولہ خوب گلچھرے اڑاتا اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اسے مالی طور پر کمزور کرتے میں مصروف رہتا ہے۔ جب نمائندہ ایک کثیر رقم خرچ کرچکتا ہے اور الیکشن کا وقت قریب آجاتا ہے۔ تو یہ خوشامدی اس پر کوئی شکایت یا الزام عائد کرکے اس سے بگڑ بیٹھتے اور اس کی حمایت سے دستبردار ہوجاتے ہیں۔ یوں اسے معاشی طور پر تباہ کرکے اس سے سیاسی انتقام لیا جاتا ہے۔ اور اس انتقام کی آڑ میں بہت سی قومی دولت بھی ضائع ہوجاتی ہے۔

4۔ کاروباری نقصان

الیکشن کا زمانہ چونکہ جلسوں، جلوسوں کا دور ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے شہری حلقہ سخت متاثر ہوتا ہے۔ کبھی تو یہ لوگ خود جلسوں اور جلوسوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اور کبھی جلوسوں، جلسوں کی وجہ سے انہیں دکانیں بند کرنا پڑتی ہیں اس قسم کے نقصان کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ تاہم یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ نمائندوں کے اخراجات سے یہ نقصان کسی صورت کم نہیں ہوسکتا۔

5۔ قومی خزانہ میں خرد برد

اب جو نمائندے منتخب ہوکر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں، انہیں اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ جو رقم الیکشن کے دوران خرچ ہوچکی وہ کیونکر پوری ہوسکتی ہے۔ غصب اور غبن کے طریقے بھی پہلے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ لائسنسوں اور پرمٹوں وغیرہ کے اجراء پر رشوت بھی طے شدہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس نقصان کی جلد ہی تلافی ہوجاتی ہے۔ مگر معاملہ یہیں تک محدود نہیں ہوتا۔ برابر برابر کی سودے بازی

© rasailojaraid.com

تو کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ یہ لوگ اگر ایک لاکھ خرچ کریں تو دس لاکھ کمانے کی ہوس رکھتے ہیں۔ دولت کی ہوس انہیں اس بات پر آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ جلد از جلد یہ مقصد حاصل کر لیں کیونکہ جمہوریت کی بے ثباتی کا انہیں بھی خوب علم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ الیکشن کے دوران اسمبلیوں کے خاتمہ تک ان کی جائیداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو چکی ہوتی ہے اسکے دو ہی ذریعے ہو سکتے ہیں یا تو قومی خزانہ کی لوٹ کھسوٹ ۔ رشوت سے ظلم، ناانصافی اور گرانی جنم لیتے ہیں ۔ اور سرکاری خزانہ میں غصب و غبن کے عوض عوام پر نئے ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے ۔ اور عوام ہی پستے ہیں

پھر ان ممبر حضرات کا معاملہ محض اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتا ۔ الیکشن کے دوران جن کارکنوں نے ان کی مخلصانہ خدمات سرانجام دی ہوتی ہیں ۔ وہ بھی ان سے بہت کچھ توقع رکھتے ہیں اور ممبر حضرات بھی ان کارکنوں کی خدمات کا معاوضہ ادا کرنا چاہتے ہیں ۔ صرف اس لیے نہیں کہ ان سے وعدے وعید کیے ہوئے تھے ۔ بلکہ اس لیے بھی کہ آئندہ پانچ سال بعد پھر اس مخلص جماعت کی ضرورت پیش آئے گی ان لوگوں کو جو معاوضہ دیا جاتا ہے ۔ اس کا بار بھی بالواسطہ قومی خزانہ پر ہی پڑتا ہے ۔

اب اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ان حضرات نے اپنی صرف شدہ رقم کا صرف دوگنا قومی خزانہ سے استحصال کیا ہے ۔ تو یہ قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ مشاہدات اس سے کچھ زیادہ ہی کی تصدیق کریں گے ۔ تو اس صورت میں قومی خزانہ پر تقریباً 43 کروڑ روپیہ کا مزید بوجھ پڑ جاتا ہے جو فی الحقیقت عوام کا استحصال ہوتا ہے ۔

6۔ ممبران کے الاؤنس اور تنخواہیں

صوبائی اسمبلی کے ممبران کی ماہوار تنخواہ تو ایک ہزار روپیہ ہے۔ لیکن ان کے مختلف قسم کے الاؤنس اور دوران اجلاس زائد بھتے بھی تنخواہ کے لگ بھگ بن جاتے ہیں ۔ جبکہ قومی اسمبلی کے ممبران کی ماہوار تنخواہ ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار اور اسی نسبت سے ان کے الاؤنس بھی زیادہ ہیں ۔ اگر ہم صوبائی، قومی اسمبلی اور سینیٹ کے جملہ ممبران کا قومی خزانہ پر بار اوسطاً ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار فرض کریں ۔ تو 713 ممبران کا ایک ماہ کا خرچ 17 لاکھ 82 ہزار پانچ سو اور 5 سال کا خرچ 10 کروڑ 69 لاکھ پچاس ہزار روپے بنتا ہے ۔

اب آپ قومی خزانے پر بے جا اخراجات کو سامنے لائیے ۔ ابتدائی مصارف 7 کروڑ، ممبروں کی خورد برد قومی خزانہ سے محض غصب و غبن کی صورت میں نہایت محتاط اندازہ کے مطابق 34 کروڑ، ممبران کے اخراجات پونے گیارہ کروڑ گویا موجودہ طرز حکومت میں الیکشن کے ایک پیریڈ میں قومی خزانہ کو تقریباً 72 کروڑ روپے کے مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں ۔ اور بھی اخراجات و نقصانات کا اندازہ اس سے تین گنا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ انتخابات پر خطیر مصارف دولت مند ممالک تو برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کی معیشت کو اور بھی ابتر بنا دیتے ہیں۔ اور ان کثیر مصارف کے بعد قوم کو بد اخلاقی، معاشرتی انتشار و عداوت کے تحفے ملتے ہیں اور انسانی سوچ کے ذریعے قوانین سازی سے عوام کے مسائل جلد حل ہونے کی بجائے پیچیدہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جن کو سلجھانے کے آئے دن ترامیم کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

مغربی جمہوریت اور سیاسی استحکام

۱۔ قانون کی ناپائیداری

جو پارٹی برسر اقتدار آتی ہے۔ وہ اپنی اکثریت کی بنا پر ایسے قانون منظور کرانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ جنہیں وہ پسند کرتی ہے۔ اس نظام میں آئے دن وزارتیں اور حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔ لہٰذا آئندہ الیکشن میں کامیاب ہونے والی پارٹی جو اپنے کچھ مخصوص مفادات کا خیال رکھتی ہے۔ وہ پہلے قوانین کو منسوخ کرتی اور اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق قانون بناتی ہے۔ اس طرح ایک جمہوری نظام میں اور خصوصاً پارلیمانی نظام میں یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہتا ہے۔ جس کا قوم و ملک پر ناگوار اثر پڑتا ہے۔

2۔ سیاسی تفرقہ بازی

اسمبلی پر دراصل اکثریتی پارٹی کا مکمل قبضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حکومت کے بیشتر فیصلے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے نہیں بلکہ اپنی پارٹی کی خوشنودی کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے طریق اختیار کئے جاتے ہیں۔ جن سے حکمران پارٹی زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور آئندہ الیکشن میں کامیاب ہو سکے۔ وہ کچھ ایسے قوانین بھی بناتی ہے جن سے دوسری حریف پارٹیوں کو کمزور یا انہیں پابند کیا جا سکے یہی چیز سیاسی پارٹیوں کے مابین منافرت اور دشمنی کے بیج بوتی ہے۔ جو بالآخر حکمران پارٹی کے حق میں کسی وقت بھی بلائے ناگہانی ثابت ہو سکتی ہے۔ اب نئی حکمران پارٹی پہلی پارٹی سے انتقام لیتی ہے۔ اس طرح جہاں قومی وحدت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہاں ایسے حالات میں کبھی ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

3۔ آزادیٔ رائے

تیسری چیز جو ہمارے ملکی استحکام کی بنیادیں کھوکھلی کر رہی ہے۔ وہ اس جمہوری دور میں "آزادیٔ رائے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کھلی چھٹی ہے۔ آزادئ تقریر و تحریر کی بے مہار آزادی نے پاکستان کی [illegible] حدود کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ کہیں علاقائی تعصب کو ہوا دی جاتی ہے کہیں نسلی برتری کو، کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ نظریہ پاکستان کا مقصد اب ختم ہو چکا ہے۔ تو کہیں اسلامی شعائر کی توہین کی جاتی اور مسلمہ اسلامی نظریات کے خلاف زہر اگلا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ پریس کی آزادی کے نام پر ہو رہا ہے صحافی لوگ اگر چاہتے تو صرف پاکستان کیا سارے عالم اسلام کو متحد اور مربوط بنا سکتے تھے۔ لیکن برا ہو اس پارٹی سسٹم کا جس میں یہ لوگ محض اپنی پارٹی کے مخصوص نظریات کے ترجمان بن کر رہ گئے ہیں۔ صحافت حقیقتاً ایک کاروبار نہیں بلکہ وہ ایک شہادت اور دل و ضمیر کی آواز ہے جسے اس سیاست کے میدان میں کوڑیوں کے مول خریدا جا رہا ہے۔ اور ملک بھر میں کشیدگی اور انتشار کی فضا قائم ہو گئی ہے۔ اگر ان پر پابندی لگائی جائے تو جمہوریت کے تقاضے مجروح ہوتے ہیں۔ اور اگر حکومت کو ایسا اقدام کرنا ہی پڑے تو زیر زمین تحریکیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جو بالآخر قوم کے حق میں تباہی کا موجب بنتی ہیں۔

4۔ سیاسی دکانیں

سیاسی لیڈر عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے نہایت مکروہ اور خطرناک ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جن کی وجہ سے ملکی استحکام کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ عموماً یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ہمارے علاقہ یا صوبے کا مرکز کی طرف سے حق غصب کیا جا رہا ہے۔ اور ہمارا استحصال کیا جا رہا ہے اس طرح علاقائی اور صوبائی عصبیت کو ہوا دے کر یہ مکروہ دھندا چلایا جاتا ہے۔ جس سے آپس میں نفرت اور تشتت و انتشار کے بیج پرورش پاتے ہیں۔ اس طرح ان [illegible] کی دکانیں تو چمک جاتی ہیں مگر ملی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور میں سیاست محض ایک کاروبار بن کر رہ گیا ہے اگر کوئی لیڈر اقتدار سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو وہ نچلا بیٹھنا گوارا نہیں کرتا اور تاحیات سیاست سے چمٹا رہتا ہے کبھی اسے عوام کی غربت بے چین کرتی ہے۔ کبھی گرانی کا رونا ہوتا ہے۔ کبھی عوامی مسائل اور انتخابات کا تذکرہ کرتا ہے۔ اپنے دور اقتدار میں جن مسائل سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اب وہی مسائل اسے بے قرار کرنے لگتے ہیں۔ ان پرانے شکاریوں کو صرف نئے جال کی ضرورت ہوتی ہے۔ نئے نئے طریقوں سے اپنی لیڈرشپ کی راہیں ہموار کرنے میں مصروف رہتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مطمئن عوام میں ہر وقت اضطراب کی فضا طاری رہتی ہے۔

5۔ بیرونی اثرات اور خطرات

ان تین باتوں کے علاوہ چوتھی بات جو ملکی استحکام کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے وہ یہ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس جمہوریت کی راہ سے غیر ملکی اور ملحدانہ نظریات فروغ پاتے ہیں اور بیرونی حکومتیں تمام ترقی پذیر ممالک میں اثر و نفوذ حاصل کرتی ہیں۔ اسی ذریعہ سے حکومتوں کے تختے الٹے جاتے اور انقلاب برپا کیے جاتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں عموماً اور بلادِ اسلامیہ میں خصوصاً آئے دن انقلاب، انتشار اور جنگ و جدال کا ایک بڑا سبب یہی جمہوری طرزِ عمل ہے۔ اور اسی طریقے سے ۱۹۷۱ء میں پاکستان کو دولخت کر دیا گیا تھا۔

جمہوریت کے مزعومہ فوائد کا جائزہ

جمہوریت کے جو فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے پُر امن ذریعۂ انتقال، حزبِ اختلاف کے کنٹرول، بالغ رائے دہی کے نتائج اور آزادی کے اظہار پر مندرجہ بالا تصریحات میں پوری طرح جائزہ لیا جا چکا ہے۔ البتہ یہ مسئلہ کہ "عوامی مسائل عوامی حکومت ہی حل کر سکتی ہے" کچھ مزید وضاحت کا محتاج ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں سابقہ حکمران پارٹی یعنی بھٹو کا دَور ایسا دَور ہے۔ جسے مخالف و موافق سب عوام کا نمائندہ دَور تسلیم کرتے ہیں۔ جس میں اسمبلیاں بہت حد تک آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے نتیجہ میں قائم ہوئی تھیں۔ لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ عوام کی مشکلات اور لاینحل مسائل کے لحاظ سے یہ دور بدترین دَور ثابت ہوا۔ گرانی کا یہ عالم کہ جتنی پہلے پچیس سال میں قیمتیں چڑھیں۔ اس سے بھی نسبتاً زیادہ اس پانچ یا سات سالہ دور میں چڑھ گئیں۔ غنڈہ گردی کا یہ عالم کہ شریف لوگ گھروں کے دروازے بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دن دہاڑے دکانیں، بینک، ٹرک حتیٰ کہ مسافر گاڑیاں تک لٹتی رہیں۔ اور ڈاکوؤں کا سراغ مشکل سے ہی کبھی ملتا تھا۔ ایسے واقعات میں پولیس خود ملوث تھی اور رسہ گیری کے فرائض انجام دیتی تھی۔ رشوت کا یہ عالم کہ سرکاری دفاتر دراصل رشوت کے کاروباری ادارے بن کر رہ گئے تھے۔ عدالتی کارروائی کا یہ حال کہ مقدمہ بازی ایک فن کی شکل اختیار کر گئی۔ جس میں ہمیشہ غریب اور مظلوم ہی پِٹتا تھا۔ فحاشی اور عریانی کو جو فروغ اس دَور میں نصیب ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔

علاوہ ازیں حکمران پارٹی کی ایک مخصوص پالیسی تھی۔ جس نے کسان کو زمیندار سے گتھم گتھا کر دیا۔ مزدور کو مالک سے بھڑا دیا۔ کرایہ دار کو مالک مکان پر سوار کر دیا۔ اور شاگرد استادوں کے سر کو آنے لگے۔ اس پالیسی سے ہر میدان میں منفی نتائج برآمد ہوئے۔ مزدور کام چور اور خودسر بن گیا جس سے ملکی صنعت تباہ ہو گئی۔ مزارعہ مالک بن بیٹھا۔ تو قتل و غارت کی وارداتیں بڑھ گئیں اور ملک خوراک میں (حسب پروگرام حکمران پارٹی) کبھی خود کفیل نہ ہو سکا۔ استاد کی شفقت اور شاگرد کا احترام ختم ہوا تو تعلیم جیسا مقدس پیشہ کاروبار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکل اختیار کر گیا۔ ٹیوشنوں کا کاروبار شروع ہوا۔ اور امتحانات میں کامیابی کے لیے نقل اور رشوت عام ہوئی کرایہ دار مالک مکان سے خطیر رقم لے کر مکان خالی کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رہائش کا مسئلہ پہلے سے کئی گنا زیادہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ اور جب کبھی حزب اختلاف نے حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کی تو اکثریت اور اقتدار کے بل بوتے پر ذلیل و رسوا کیا گیا۔ تو کیا ان مشاہدات کے بعد بھی اس دعویٰ کی کوئی حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ عوامی حکومت ہی عوامی مسائل حل کر سکتی ہے؟

اور آج جو ہمارے لیڈر آئے دن بیانات جاری کرتے رہتے ہیں کہ عوامی مسائل منتخب حکومت ہی حل کر سکتی ہے۔ کیا انہیں بھٹو دور کا تجربہ بھول چکا ہے؟ اور ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان لیڈروں کو عوامی مسائل کے حل کی فکر نہیں ہے۔ بلکہ اگر فکر ہے تو محض اپنی کرسی کی۔ عوام کی تکالیف کا دم بھر کر وہ اپنے دل کا غبار نکالتے ہیں۔ اور سیاسی شعبدہ کا یہی پہلا زینہ ہے۔

یہ ہے مغربی جمہوریت اور اس کے برگ و بار کا مختصر خاکہ جس کا ہر آدمی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے اور وجدانی طور پر ہر سنجیدہ ذہن اس طرز عمل سے بیزار ہے۔ لیکن اس جمہوریت کی آہنی گرفت نے دماغ کو یوں ماؤف کر رکھا ہے کہ کوئی اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کرتا اور عوام کی ملامت کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ یا پھر سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مشہور مفکر اسلام نے مغربی جمہوریت کے مضمرات کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے اپنے کلام میں بہت سے مقامات پر سخت تنقید کی ہے۔ بخوف طوالت ہم محض ان کے چند اشعار یہاں درج کرتے ہیں:

دیو استبداد اور جمہوری قبا میں پائے کوب　　تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام　　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

مغربی جمہوریت اور مغربی سیاستدان

موجودہ جمہوریت کے ان اثرات سے مغرب کا سیاستدان بھی بے خبر نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے ہاں اس طرز حکومت کا بدل یا نعم البدل موجود نہیں ہے۔ اشتراکیت آمریت کا مزہ پہلے ہی چکھ چکے ہیں لہٰذا اسی پر قناعت کر کے اس کے لیے اصلاح کی فکر کر رہے ہیں۔ تاہم لگتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سچی بات زبانوں پر آہی جاتی ہے۔ اور اس سے بیزاری کا اظہار کر دیتے ہیں دورِ حاضر میں جمہوریت کے ایک بہت بڑے علمبردار (BURNS) نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"No one denies that existing representative assemblies are defective, but if an automobile does not work well it is foolish to go back to farm cart - how-ever romantic"

"اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ اسمبلیاں عیوب سے خالی نہیں ہیں۔ لیکن اگر ایک خودکار گاڑی ٹھیک کام نہ کرے تو یہ احمقانہ حرکت ہوگی کہ ہم چھکڑے کی طرف رجوع کریں خواہ کیسا ہی دلآویز کیوں نہ ہو۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اس حقیقت سے خوب واقف ہیں، کہ موجودہ طرزِ جمہوریت نقائص سے پُر اور مطلوبہ فوائد حاصل کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اب چھکڑے (ملوکیت جو سالقہ ادوار میں بیشتر ممالک میں مروج تھی) کی طرف جانا نہیں چاہتے۔ اور اس جمہوریت سے بہتر صورت انسانی دماغ ابھی تک سوچ نہیں سکا۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملوکیت موجودہ جمہوریت سے نسبتاً بہتر ہے۔ کیونکہ ملوکیت کے نقصانات من کل الوجوہ جمہوریت میں موجود ہیں اور جمہوریت کے اپنے نقصانات مستزاد ہیں۔ مغرب اگر ملوکیت قبول کرے تو اس رجعت قہقری میں اس کی انا مجروح ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم ملوکیت اور جمہوریت کا مختصر سا تقابل پیش کرتے ہیں۔

(۱) ملوکیت پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ بادشاہ مطلق العنان اور آمر بن جاتا ہے۔ موجودہ طرزِ حکومت اور خصوصاً پارلیمانی نظام میں یہ نقص بدستور موجود ہے۔ جہاں اکثریتی پارٹی حکمران ہوتی ہے۔ اسی میں سے صدر کا انتخاب ہوتا ہے اور وہی مکمل طور پر بااختیار یا اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہوتا ہے۔ اس طرح فردِ واحد کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور آجاتی ہے۔ اور ملک و قوم اسی کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اور یہ ملوکیت سے آگے آمریت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ سالقہ عوامی دور میں مسٹر بھٹو کی ذات کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ملوکیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ حکومت ایک ہی خاندان کا حق ہوتا ہے۔ جانشین اگر بدقماش اور نااہل ہو تو اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ملوکیت میں تو یہ امکان موجود ہے کہ جانشین بہتر آدمی بھی ہو۔ لیکن آج کے خدافراموش اور اخلاق سے عاری معاشرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ توقع رکھنا عبث ہے۔ کہ کوئی بہتر اور خدا خوف آدمی منتخب ہو سکے گا۔ پھر جب ایسا آدمی منتخب ہو جاتا ہے تو کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں رہتی۔

اب دیکھیے کہ ملوکیت، جمہوریت کے درج ذیل عیوب سے پاک ہے:

۱۔ اس میں سیاسی پارٹیوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ الیکشن کے دوران جدال و قتال نہیں ہوتا۔ بے لگام اظہار رائے پر قدغن ہوتی ہے لہٰذا ملک انتشار اور تفرقہ بازی سے محفوظ رہتا ہے۔ ملک تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اور اسے استحکام نصیب ہوتا ہے۔

۲۔ الیکشن اور اس سلسلہ میں متعلقہ اخراجات کا قومی خزانہ پر کوئی بار نہیں پڑتا۔ لہٰذا ملکی معیشت مستحکم رہتی ہے۔

۳۔ جمہوریت کی راہ سے آنے والے بیرونی اثرات سے ملک محفوظ رہتا ہے۔ بیرونی طاقتیں اپنے اثر و نفوذ کے لیے ہو ضمیریں خریدتی ہیں۔ وہ سیم و زر کی قوت سے میدان سیاست میں اپنا مقام پیدا کرتی اور پھر الیکشن میں حصہ لے کر اس بیرونی طاقت کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ ملوکیت میں ایسے لوگوں کے لیے سرے سے کوئی میدان ہوتا ہی نہیں۔

اندریں صورت حالات مغربی جمہوریت کو ملوکیت پر ترجیح دینا ہمارے خیال میں مغرب کی اندھی تقلید کے سوا کچھ نہیں ہے۔

برن کے علاوہ مشہور برطانوی فلاسفر برٹرینڈ رسل مغربی جمہوریت کے متعلق یوں لکھتا ہے:

The Problen of The distribution of Power is a more difficult one than the Proplan of distriBution of wealth........ Almost nothing has been done to DEMOCRIZE the administration

(POLITICAL IDEALS P.50)

"طاقت کی تقسیم کا مسئلہ دولت کی تقسیم سے زیادہ مشکل ہے۔ انتظامیہ میں جمہوریت رائج کرنے کے سلسلہ میں ابھی تک کچھ نہیں کیا گیا۔"

برٹرینڈ رسل کے اس اقتباس کو سامنے لائیے اور حضور اکرم ص کے اس ارشاد سے مقابلہ کیجیے جس میں حب مال اور حب جاہ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان دونوں پر مغرب کنٹرول نہیں کر سکا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پیشتر ان دونوں کا حل پیش کر دیا تھا۔ کاش آج کا مسلمان مغرب کو اس حقیقت سے آگاہ کر سکتا۔ مگر افسوس ہے مسلمان خود بھی اس درندہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگاہ نہیں تو دوسروں کا کیا سمجھائے گا۔

اسی طرح ایک اور سیاست دان (LOCK) مغربی جمہوریت کے متعلق یوں رقمطراز ہے:

"جمہوریت سب سے زیادہ عزیب، جاہل ترین اور انتہائی نااہل لوگوں کی حکومت۔ جو لازمی طور پر تعداد میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔"　　　　(جاری ہے)

ترجمان کی ایجنسیاں

- ملک اینڈ سنز نیوز ایجنٹ بک سیلرز ریلوے روڈ سیالکوٹ۔
- قریشی بک ڈپو شکر گڑھ۔ ضلع سیالکوٹ۔
- محمد سعید صاحب ایجنسی کھجور مارکہ صابن، بازار ناندلیا نوالہ ضلع فیصل آباد
- حاجی ملک محمد ابراہیم صاحب دکاندار مین بازار ٹیکسلا، تحصیل و ضلع راولپنڈی
- مولانا محمد عبداللہ صاحب، خطیب جامع اہلحدیث، صدر، راولپنڈی۔
- حکیم محمد یوسف صاحب زبیدی جامع مسجد اہلحدیث. شاہ فیصل شہید روڈ لعل چند باغ میر پور خاص
- منشا بک سٹال بالمقابل ریلوے سٹیشن گوجرانوالہ ٹاؤن۔
- خواجہ نیوز ایجنسی لودھراں، ضلع ملتان۔
- حافظ عبدالحق صاحب معرفت مولوی علی احمد صاحب کریانہ سٹور تحصیل بازار، بہاولنگر
- مرکز ادب حسین آگاہی، ملتان شہر۔
- محمد ابراہیم صاحب نیوز ایجنٹ، عباس سائیکل ورکس، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔
- مولانا محمد اسماعیل صاحب خادم مسجد ایس پور بازار، فیصل آباد
- میاں عبدالرحمان حماد صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، قبولہ ضلع ساہیوال۔
- محمود برادرز کریانہ مرچنٹس، چمن بازار، ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔

- مولانا محمد حنیف صاحب دارالحدیث چینیانوالی کوچہ چابک سواراں۔ لاہور۔
- محمد الیاس صاحب کمبوہ، کمبوہ ہوٹل، شہداد کوٹ۔ ضلع لاڑکانہ (سندھ)
- حامد برادرز، چوک انار کلی۔ لاہور
- کاشانہ ادب، چوک نیلا گنبد۔ لاہور۔

© rasailojaraid.com